قطب زماں حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا غلام غوث ہزاروی

جناب مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب زید مجدہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں رت لاہوری قدس سرہ کی کچھ باتیں لکھ دوں۔ کیونکہ ان کا مجھ سے بہت تعلق رہا ہے۔ محترم مولانا صاحب! میں اگر سو سال بھی ت کے پاس رہوں مجھے ان سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

میں صرف گفتار و تمل ہوں وہ کردار و حال تھے میں صرف ثابت اور وہ سیار تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے دل و دید قصور سے ۱۵ سال کے مدارج طے ہوئے تو ان حضرات کا کیا کہنا ہمارا ایمان تقلیدی یا بالغیب ہے ان کا ایمان بالمشاہدہ تھا اس لیے صحابہ کرامؓ کے ایک [illegible] برابر صدقہ ہمارے پہاڑ کے برابر صدقے سے [illegible] ہوا تھا وہ وحی و معجزات کو مشاہدہ رتے تھے انہوں نے پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کی زبان مبارک سے قرآن پاک سنا ان کے پیچھے نمازیں ہیں۔ کم از کم ۵ لاکھ انسانوں کو [illegible] بنا دیا انہوں نے قلب کو فنا کر دیا [illegible] رنگ میں رنگ دیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کے بعد سب معجزات [illegible] یہی وجہ تھی کہ ان حضرات [illegible] حضرت لاہوری قدس رہ ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کرتے تھے۔ حضرت قدس سرہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے لیے دو گواہ کافی ہیں حضرت لانا شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ۔ ساری دنیا ب طرف ہو اور یہ دو گواہ میرے ساتھ ہوں تو بس ہے۔ میں تو حضرت کے پیچھے نمازیں پڑھا ہی کرتا تھا مگر حضرت کا میرے پیچھے از پڑھنا میرے مسلمان ہونے کی دلیل ہے اگر فخر جائز ہوتا تو میں اس بات پر فخر کرتا۔ حضرت جب حجرہ مبارک سے نماز کے لیے ریف لاتے گویا ایک فرشتہ آگیا ہے ساری مسجد بقعۂ نور بن جاتی۔ بلکہ نور علیٰ نور کا سماں بندھ جاتا۔

حضرت قدس سرہ اولیاء کرام کی محفل میں

حضرت قدس سرہ نے علیحدگی میں مجھ سے فرمایا کہ مسجد نبوی میں ایک بار بہت سے اولیاء کرام جمع تھے میں بھی ان میں جا بیٹھا ایک آدمی عطر لگانے کے لیے آیا سب کو جلدی جلدی عطر لگا کر میرے پاس پہنچا اور عطر لگانے میں بہت دیر کی کبھی ایک جگہ لگاتا کبھی دوسری جگہ میں سمجھا کہ یہ شخص صرف میرے ملنے کے لیے آیا ہے۔ اور احقر نے یہ سمجھا کہ حضرت قدس سرہ اولیاء کرام میں تھے ہی ان کے سردار اسی لیے تو وہ شخص صرف حضرتؒ سے ملنے آیا اور اسی لیے اس نے زیادہ وقت حضرتؒ کو عطر لگانے میں صرف کیا۔ ہم کیا سمجھیں کہ یہ محفل اولیاء کرام کی ہے یا عام لوگوں کی۔

ایک بار حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ گھر والی ہمیشہ مکان ملنے کی دعا کرتی تھی ایک دن میں نے اس کو کہا کہ بس کرو مکان اللہ
خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک تیسرے محلہ کے آدمی نے خواب دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ و تبارک کہہ رہے ہیں کہ یہ مکان احمد
دے دو اس نے پرواہ نہیں کی دوبارہ یہی خواب دیکھا جب تیسری بار دیکھا تو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر
کی کہ مکان کی اپنے نام رجسٹری کرالیں چنانچہ رجسٹری ہوگئی اس کے بعد حضرت قدس سرہ نے اصلی مالک مکان
کیا کہ اگر میں مکان کو مسجد شیرانوالہ کے محلہ میں کسی مکان سے بدل لوں اس شخص نے کہا کہ مکان آپ کا ہے جو
کریں چنانچہ آپ نے موجودہ مکان لے کر دوسرے آدمی کو دے دیا۔

ایک بار فرمایا کہ مجھ سے گھر والی پوچھا کرتی تھی کہ اس وقت (مولانا) حبیب اللہ (صاحب مدینہ میں) ہیں کیا کام کر رہے
ہیں یا نہیں آخر میں نے اس کو بتایا کہ اس وقت وہ فلاں جگہ ہیں ہیں اور فلاں کام کر رہے ہیں اس نے وہ تاریخ اور وہ
اور کام لکھ لیا جب عمرہ کو تشریف لے گئیں دریافت کرنے پر حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نے وہی کچھ
حضرت نے فرمایا تھا۔ ایک بار فرمایا کہ میرے پاس ایک عورت آئی [illegible] میں مرا ہے وہ
میں فوت ہوا ہے ان کے انجام کا علم ہو جائے تو میں صبر کروں آپ نے [illegible] اس کا خاتمہ خراب
اور جو راولپنڈی میں فوت ہوا ہے اس کا خاتمہ اچھا ہوا ہے۔ پھر بعد میں تحقیق [illegible] والا بیٹا آخری وقت
کفریہ کلمات کہہ رہا تھا اور راولپنڈی والا شہید ہوا ہے۔

ایک بار مجھ سے علیحدگی میں فرمایا کہ جنۃ البقیع میں اب کے تنہائی میں جانے کا [illegible] بنات رسول کے مزارات پر
گیا ان کے مزارات سے وہ انوار متوجہ ہوئے جو سینکڑوں بار چلہ کرنے والوں کے مزار سے متوجہ ہوتے ہیں۔
حالانکہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چلہ نہیں کیا تھا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نگاہ کرم کی برکت تھی۔ آپ کا
بہت ہی بڑی چیز ہے۔ ہر ایماندار کے ایمان کا رشتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ ہے حضرت دہاغ رحمۃ اللہ علیہ
کے آگے پڑھے آپ کے اس بیان کی اس نے اصرار سے تردید کی آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارا رشتہ توڑ دوں اس نے کہا
توڑ دو آپ نے ہاتھ مارا دھاگا ٹوٹ گیا وہ شخص بعد میں مرتد ہو گیا۔

میں مجلس ذکر میں جایا کرتا لیکن کوئی مزہ نہ آتا۔ جانا فضول سمجھتا رہا آخر کار نیت درست کی اور دل میں کہا کہ جب اللہ
سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ھم قوم لا یشقیٰ بھم جلیسھم او کما قال) تو حضرت لاہوریؒ کی محفل اور اس کے حاضرین سے بڑھ کر کسی
ہو گی چھوڑ جایا کرو۔ ان کے پاس بیٹھنے سے جب گناہ معاف ہوتے ہیں تو یہی بڑی بات ہے اور کیا مزہ چاہیے۔ ہم
کے بعد دل لگنے لگا۔ ایک بار حضرت نے دیکھ لیا پاس بلایا اور بٹھایا۔ مجلس ذکر کے خاتمہ پر جب روشنی گل کی گئی تو میرا دل
اچھلنے لگا میں نے اس کو حضرت کی برکت سمجھا۔

میں نے اپنے کو اس وقت بہت ہی خوش قسمت سمجھا جب ۱۹۵۰ء میں بمقام ملتان مغربی پاکستان کی جمعیۃ علماء اسلام
دور جدید کی ابتداء ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنویؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری
خلیفہ خاص حضرت حکیم الامتؒ وغیرہ سارے حضرات شریک تھے اس اجلاس میں احقر کو ناظم جمیعۃ منتخب کیا گیا حضرت نے فرمایا

میں اس شرط پر صدارت قبول کرتا ہوں کہ احقر ناظم بنے چارو ناچار احقر نے قبول فرمایا۔ میرا اصرار حضرت مولانا عبدالحنان صاحبؒ کے لیے تھا میں ان کو ہر طرح سینئر سمجھتا تھا وہ مرکزی جمیعۃ دہلی کے بھی ناظم رہ چکے تھے تمام باطل فرقوں سے مناظرہ کرچکے تھے شُستہ زبان اور بلیغ تقریر تھی۔ مگر انہوں نے بیماری کے عذر پر اصرار کیا۔ اور واقعی وہ بیمار تھے ہم کو اس کی خبر نہ تھی آخر کار ان کی وفات اس بیماری سے ہوئی۔

اس اجلاس میں مولانا عبدالستار خاں نیازی بھی مدعو تھے چنانچہ وہ دن کو شریک ہوئے

اس دن سے جمیعۃ علماء اسلام کا دورِ جدید شروع ہوا۔ یہ اجلاس حضرت مولانا شبیر احمد صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد ہوا اور نہ وہ بھی تمام دیوبندی خیال کے علماء کے ملکر کام کرنے کے حق میں تھے اس لیے کہ پاکستان بننے کے بعد اختلاف کی کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ نے بھی پاکستان کو دل سے تسلیم کیا ہے اور اس کے استحکام کے لیے لکھ کر بھیجا حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ صدر آل انڈیا جمیعۃ علماء نے مجھے دہلی میں ریفرنڈم کے بارہ میں پاکستان کو ووٹ دینے کا کہا۔ جب کہ انہی دنوں میں خان عبدالغفار خاں صاحب نے بھی دہلی میں شیخ حسام الدین وغیرہ کے سامنے مجھے کہا تھا کہ ہم صوبہ سرحد میں متوازی گورنمنٹ قائم کریں گے۔ خدا جانے اب تک اس خیال پر قائم ہیں یا ان میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔

حضرت لاہوری قدس سرہ [illegible] کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کہا [illegible] کون سی نعمت بڑی ہوسکتی ہے۔ آپ نماز اور [illegible]

حضرتؒ کا استقلال و استقامت اور اس کا نتیجہ جب آگرہ سے مولانا [illegible] صاحب لاہور تشریف لائے اور انہوں نے تکفیر کی مشین چلائی یہ کافر وہ کافر تو ہم نوجوان مولوی کہلانے والے جو حضرت لاہوریؒ کے مقام و مرتبہ سے ناواقف تھے اور حضرت لاہوریؒ کو صرف ایک بڑا دیوبندی مکتب فکر کا عالم سمجھتے تھے بس۔ حضرتؒ خاموش تھے اور تکفیری فتووں کا جواب نہ دیتے تھے۔ تو ہم حضرت لاہوریؒ کے سکوت کو برا مناتے ناراض ہوتے تھے لیکن جب مطلع صاف ہوا تو دیکھا کہ آدھا لاہور حضرت لاہوریؒ کے ہم خیال ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت قدس سرہ کی مذہبی احتیاط حضرتؒ سب کا کھانا نہیں کھاتے تھے نہ چائے پیتے تھے بلانے والے سے کھانا نہ کھانے کی شرط کر لیتے تھے دراصل اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو کسی ذریعہ سے بتا دیتے تھے کہ اس پلاؤ میں زردہ یا چاول یا گھی یا گوشت حرام ذریعہ سے ہے تو پھر حضرت کیسے کھاتے جب حضورؐ کو ایک یہودی نے زہر ملا گوشت دیا جس سے بعض صحابہؓ شہید ہوگئے آپ نے یہودی کو بلا کر پوچھا اس نے تصدیق کی اور کہا کہ آپ کو کس نے بتایا تو آپ نے فرمایا کہ اس گوشت نے (او کما قال) اس کو علم غیب نہیں کہتے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے سے بھی دیکھتے تھے اور پیچھے سے بھی جیسے کہ بخاری شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ظاہری حواس دے سکتے ہیں تو باطنی حواس بھی دے سکتے ہیں حواس کے بغیر وحی الہام وکشف

عاتف ہیں اور بیسیوں ذرائع اللہ تعالیٰ دے سکتے ہیں پیغمبروں پر وحی بھی آتی تھی اس طرح کے علوم کو علوم غیب نہ
حضرتؒ علم غیب کی تعریف کرتے تھے جو بلا حیلہ و وسیلے کے ہو اللہ تعالیٰ بغیر آنکھوں کے دیکھتا اور بغیر کانوں کے سنتا ہے
ذات سے حیّ قیوم علیم و قدیر سمیع و بصیر مرید و متکلم ہیں اس کو کسی وسیلے کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک بار میں حضرتؒ
مکلف کھانے میں شریک تھا مرغ کا پلاؤ تھا بیسیوں علماء میرے سمیت پلاؤ اڑا رہے تھے مگر حضرتؒ میرے پاس بیٹھے
ہاتھ تک نہیں لگا رہے تھے بعد میں فرمایا کہ حرام تھا میں کیسے کھاتا۔ جن کو خبر نہیں وہ عند اللہ معذور ہیں مگر جن کو اللہ
نے خبر دے دی ہو وہ کیسے کھائیں

میں اور حضرت

لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت مجھے نوازتے بلا لیتے اور یہ ان کی انتہائی شفقت تھی۔ شفقت بھی تھی لیکن
اصول کے پابند اور سخت پابند تھے میں جمعیۃ کا ناظم اور حضرتؒ صدر تھے حضرت مجھے بلا
والا نہیں سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ اگر جمعیۃ کا کوئی کام ہے تو میرا اصولی فریضہ ہے کہ اس کو کر دوں اس لیے مجھے بلا
لیتے۔ اور شفقت تو تھی ہی۔

حضرتؒ کی تعلیمی خدمات

ایک بار حضرتؒ نے میرے سامنے [illegible] بلاوا آجائے (موت) تو
کوئی افسوس نہیں ہے مطلب [illegible] رسالوں اور وعظوں
تحریکوں کے ذریعے دین اسلام اور حق کی اتنی خدمت کی تھی جو ایک [illegible] سے بن آ سکتی تھی۔ حضرتؒ
عام لوگوں کے لیے صبح صبح درس قرآن پاک جاری کیا جو مسلسل چالیس سال تک رہا۔ اور خاص علماء کے لیے قرآن
کا دورہ رمضان وغیرہ میں شروع کرایا۔ آپ کے درس میں بیٹھنے والوں پر بڑا اثر پڑتا تھا اور وہ لوگ جاہل
ہوتے دین کی خدمت کرتے اب مدارس سے نہ مدرس کام کے پیدا ہوتے ہیں نہ مبلغ کام کے گویا اکثر مدارس عقیم
ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حالات بدلنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

ہر باطل کا مقابلہ

آپ نے انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی۔ مرزائیوں کے خلاف کام کیا۔ خاکسار تحریک کے
کے خلاف رسالہ لکھا۔ مودودی کے خلاف علماء حق کی ترجمانی فرمائی عام بدعات و رسوم کے
رسالے لکھے۔ آپ خود عامل تھے اور دوسروں سے عمل کراتے تھے۔ آپ نے نواب مظفر علی خان گورنر
پاکستان کے بلائے ہوئے اجتماع میں شرکت کے لیے مجھے سندھ کا دورہ منسوخ کر کے پہنچ جانے کا لکھا۔ میں حاضر
حضرت مولانا محمد صالح صاحب خطیب بہاولپور خاص حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ اور میں نے مسجد شیرانوالہ
بیٹھ کر کانفرنس میں پیش کرنے کے لیے ایک قرارداد لکھی۔

صدر جلسہ گورنر صاحب کسی کو بولنے نہیں دیتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ تمام ملک سے یہ علماء آپ
اپنی بات سنانے کے لیے بلائے ہیں یا مشورہ کے لیے۔ تب انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ کو قرارداد
پیش کرنے کی اجازت دی مولانا نے قرارداد پیش کی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس محرم میں امن قائم رکھنے کی عارضی اور وقتی
تدبیر تو یہ ہے لیکن اگر دائمی امن اور دو قوموں میں فیصلہ مطلوب ہے تو دونوں قوموں کے ذمہ دار افراد کو اپنے اپنے

چلنے کا موقعہ دیں دونوں کے نمائندے چند دن بیٹھ کر سینکڑوں سال کے اس تنازع کا فیصلہ کریں اگر کوئی بات تشنہ رہ جائے تو پھر حکومت کی طرف رجوع کریں بظاہر قرارداد مان لی گئی لیکن اس پر عمل آج تک نہیں ہوا۔

اس اجلاس میں حضرت لاہوریؒ نے تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ سب فسادات اور فتنوں کا علاج یہ حدیث ہے "ما انا علیہ واصحابی" کہ میرے اور میرے صحابہ کرام کے راستے پر چلو۔ اس وقت مجھے اس تقریر کی اہمیت معلوم نہ ہوئی مگر آج اس کی اہمیت سمجھ میں آئی اس اجلاس میں مولانا ابو اعلیٰ مودودی بھی شریک تھے جن کو دیکھ کر حضرت مولانا محمد اسحاق خطیب ایبٹ آبادؒ نے کھری باتیں سنائیں بہر حال یہ اجلاس نشستند و گفتند و برخاستند کا مصداق ہوا مگر حضرتؒ نے کلمۂ حق ادا فرمایا اور تمام ذمہ داران ملک کے سامنے۔

حضرتؒ کی پابندی اصول

حضرت نماز روزہ حج زکوٰۃ اور اصول کے سخت پابند تھے میٹنگ میں مجال کیا ہے کہ نماز کیلئے موقوف نہ ہو جائے اس وقت اجلاس نماز کے لیے برخاست فرما دیتے۔ حضرت ذکر اور اسماء حسنیٰ کے بہت قائل تھے بہر حال اللہ تعالیٰ تک پہنچنے یا مقام قرب حاصل کرنے کے لیے سوائے اسماء الہیہ اور ذکر کے کوئی چیز ہے۔ اس کی ذات میں بحث نہیں ہو سکتی نہ ذات میں غور کرنا چاہیئے سوائے اس کے کہ وہ حاضر و ناظر ہے اور اس کو بلاکیف معیتہ ذاتی حاصل ہے۔ جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم بحمدہ تعالیٰ و تبارک [illegible] کو نامل کرا سکتے ہیں۔ مگر اپنے طور پر سوائے تعریفیں و شکر [illegible] تعلق افعال عباد [illegible] کا تعلق صرف کسب بندہ سے ہے۔ داعیہ وہ پیدا فرماتے [illegible] آتا ہے یا اس فعل کو دنیا میں فاعل کی طرف منسوب کرتے [illegible] فعل کی صورت قیامت میں آگ کی ہوگی اس کو جہنمی کہنے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے حضرت علامہ انور شاہ صاحب [illegible] فرمایا۔

آنرا کہ جزا گفتۂ آں عین عمل است۔

بہر حال حضرت اذکار کے نتائج پر کھتے اور ہر ذکر کو انتہائی بابرکت سمجھتے تھے اور انہی اذکار سے انہوں نے سب کچھ پایا۔ مگر ان اذکار کا اثر و فائدہ تب زیادہ نمایاں ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات فنا ہو جائیں اور یہی مشکل مسئلہ ہے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں چالیس سال تک امروٹ آتا جاتا رہا۔ پھر بھی نفس باقی ہے یہ حضرت کی تواضع تھی ورنہ صحیح اولیاء کرام کے قرب و معیت کا فائدہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ان کا نفس فنا ہو جاتا ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں ان میں اخلاص اور روحانیت آ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت پر دنیا داروں اور باوجاہت لوگوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ گورنر مغربی پاکستان امیر محمد خان صاحب مرحوم (آف کالا باغ) اور نعاری خاندان کا رشتہ ہو رہا تھا۔ حضرت کو نکاح کی دعوت دی گئی حضرت نے اس شرط کے ساتھ منظور فرمائی کہ کھانا وغیرہ نہیں کھاؤں گا۔ انہوں نے حضرت کی شرط مان لی اور حضرت نکاح پڑھا کر تشریف لے آئے۔

حضرت کی دعا کی اجابت

جب نعاری خاندان کا ذکر آ گیا تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک خاتون کو جو جناب محمود خان صاحب نعاری آف چھوئی کی غالباً پھوپھی تھی یا کوئی اور رشتہ دار تھی اس کو کینسر (خطرناک

پھوڑا اندر وجود کے) ہو گیا ڈاکٹروں نے مایوس ہو کر اپریشن کا فیصلہ کر لیا وہ خاتون حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہنے لگی کہ کل میرا اپریشن ہے دعائے صحت فرمائیں حضرت نے دعا فرمائی جس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بیٹی جاؤ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا بخش دی۔ وہ سمجھی ہو گی کہ اپریشن کامیاب ہو گا لیکن جب صبح ہوئی اور ڈاکٹروں نے دیکھا کہ پھوڑا ہی نہیں ہے اور مریضہ کو مکمل صحت ہو گئی ہے وہ حیران رہ گئے۔

اس واقعہ کے گواہ حضرتؒ تو فوت ہو چکے ہیں دوسری طرف سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اس سے ڈاکٹروں کا یہ بھی باطل ہو گیا کہ دم کرنے اور پڑھ کر پھونکنے سے کیا ہوتا ہے مادی بیماری میں مادہ پر پھونک کا کیا اثر ہو سکتا ہے ا تو ہوا ہے اور ہوا میں مل گئی۔ اس طرح کے ایک ڈاکٹر نے اعتراض کیا تو مخاطب نے دو چار صلواتیں ڈاکٹر صاحب کو بلا وجہ سنا ڈاکٹر صاحب کا رنگ سرخ ہو گیا۔ خون کھولنے لگا۔ گالیاں دینے والے آدمی نے کہا کہ میری گالیاں تو ہوا میں گئیں آپ کا یہ مادی خون کیوں کھولا رنگ کیوں سرخ ہو گیا تب ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں آیا۔ [illegible] کا علاج اسی طرح کلام پڑھ کر پھونکنے سے ہوتا ہے یہ بات متواتر ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرتؒ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت تھے

حضرت [illegible] دیتے کہ میرے ساتھ اتنا دور رہو اور میرے [illegible] کے خلاف کچھ نہ کرو نہ کھاؤ نہ پیو اگر یہ کشف نہ ہو یا یہ حالات پیدا نہ ہوں تو پھر کہنا۔ غرضیکہ حضرت کا وجود منکرین کے لئے اتمام تھا۔

آپ کی قبر مبارک سے خوشبو

چنانچہ زندگی سے زیادہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو وفات شریف سے ہدایت فرمائی مخلوق خدا اتنی آئی کہ عقل میں نہیں سماتی۔ پھر قبر مبارک کی مٹی خوشبو کا آنا مستقل تبلیغ تھا۔ لیبارٹری والے آئے اور قبر کی خاک لے گئے کہ اس میں کوئی چیز از قسم عطر تو نہیں ملی تجزیہ کیا معلوم ہوا کہ صرف مٹی ہے اور اس سے خوشبو آ رہی ہے کچھ عرصہ کے بعد یہ بات بند ہو گئی جب اس کا چرچا ہوا اور لوگ قبر کی مٹی سے مٹی لے جانے لگے۔

آپ کی دعا میں بعض علامات تھیں جن سے پتہ لگ جاتا تھا کہ یہ دعا قبول ہو گئی ہے۔

میری خوش قسمتی

میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے اپنے کامل پیرؒ کی وفات کے بعد بیعت کی درخواست حضرت سے کی حضرت علماء کی بہت قدر و احترام فرماتے تھے انہوں نے انکار کیا آخر کار تربیت پر رضا مندی کا اظہار کیا لیکن بیعت وہی پرانی کافی سمجھی میں نے اصرار کیا کہ حضرت! میں حضرت پیران پیرؒ کی بیان کردہ فضیلت جو انہوں نے اپنے سلسلہ کے وابستگان کے حق میں فرمائی ہے حاصل کرنا چاہتا ہوں تب حضرت نے بیعت فرمائی اور بارہ کے بارہ منازل پر مجھے جلدی جلدی عبور کرا دیا (الحمد للہ تعالیٰ و تبارک) اس سے زیادہ لکھنے کی نہ طاقت ہے نہ مناسب ہے اور نہ ہی میرے شایانِ شان فقط

ڈاکٹر علامہ خالد محمود خالد ایم اے پی ایچ ڈی (برمنگھم)

عصرِ حاضر کے زعیمِ اسلام

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اللہ خیر اما یشرکون اما بعد:

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ اپنی ذات میں ایک شخصیت نہیں ایک ادارہ تھے۔ ایک واقعہ نہیں ایک تاریخ تھے۔ خدمت دین میں ایک صاحب طرز اور بے عمل صحرا میں ایک بے لوث اسلامی آواز تھے۔ آپ گرد و پیش سے متاثر نہیں گرد و پیش کو اثر دینے والے تھے۔ مریدوں کی دولت کا مرکز نہیں خود بے نواؤں کی خبر لینے والے تھے۔ آپ کی دعوت قرآن پاک کی پکار اور آپ کی ہمت ایک مجاہدانہ للکار تھی۔ آپ میں نظر و فکر علم و عمل تقویٰ و ذکر اور ہمت و سیاست کے گراں قدر جوہر یکساں [illegible] تھے۔ فضائل اخلاق کے یہ موتی علیحدہ علیحدہ تو کئی جگہ دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کا [illegible]

راقم الحروف کو حضرت مرحوم [illegible] جمعیۃ علماء اسلام میں ان کی سربراہی میں کچھ دینی جدوجہد کرنے کا موقع [illegible] میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مرحوم کی شخصیت اور خدمات کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس پس منظر میں دور تک جانا ہوگا۔ جس کی خارزار راہوں سے دین حق کے ہر پرستار کو گزرنا ہوتا ہے۔ مولانا احمد علی مرحوم اس خارزار وادی سے بہت کامیابی سے گزرے اور جب آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تو آپ پر آسمان بھی رحمتیں برسا رہا تھا۔ اور پرندے بھی سایوں کے پرے باندھے ہوئے تھے۔ اور ہر زبان سے یہ بات نکل رہی تھی۔ کہ ایک خدا پرست اپنے مولا کے پاس جا رہا ہے

آپ بدلتے حالات میں ابدی ہدایت کے علمبردار تھے آج سے سو سال پہلے کے لاہور پر سامنے رکھئے اور پھر حالات کا رخ تبدیل کرنے کی الٰہی حکمت پر نظر کیجیے۔ آپ کو مولانا احمد علی صاحبؒ کی شخصیت اور ان کی لاہور تشریف آوری میں اس حکمت کے جلی اثرات دکھائی دیں گے۔

ان اثرات میں اسلاف دیوبند پر غیر متزلزل یقین اسلاف کی میراث علمی میں کامل امانت داری قرآنی درس حکمت کا شیوع اور علماء کرام میں دورہ قرآن کا ذوق ملے گا۔ تالیف و اشاعت کے کام کی اہمیت مجاہدین سے رابطہ عوامی اور اہل طریقت کے روحانی فیضان کے ساتھ ساتھ اسلامی خدمات کا اور اسلامی رنگ نظر آئے گا انجمن خدام الدینؒ کا قیام پنجاب میں اکابر علماء دیوبند کا تعارف اور جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے اسلام کی سیاسی آواز مجاہد کبیر شیخ التفسیر کے باقیات الصالحات ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل کے لیے اس پس منظر کو دور تک دیکھیے اور پھر حالات اور اصلاحات کا جائزہ لیجیے جانے والے چلے گئے لیکن اپنے نقش پا سے علم و حکمت اور عزم و ہمت کے وہ چراغ روشن کر گئے۔ جن کی تابانی صدیوں تک قافلوں کو روشنی بخشتی رہے گی۔

بدلتے حالات میں الٰہی ہدایت

مسائل حالات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور حالات تغیر پذیر لیکن الٰہی ہدایت ابدی ہے جس میں تغیر پذیری نہیں مسائل اسی چشمہ حیات سے جواب پاتے ہیں۔ الٰہی ہدایت جب بدلتے حالات سے متعلق ہوتی ہے تو شریعت کی وسعت کا چہرہ اور کھلتا ہے اہل حق کے ہاں مسائل بدلتے نہیں پھیلتے ہیں الٰہی ہدایت ابدی رہتی ہے اور وسعت آشکار ہوتی جاتی ہے۔

فقہاء امت کے امین اور شرائع کے حامل ہوتے ہیں انہوں نے اختلاف اعصار و امصار کی ہمیشہ رعایت کی ہے ہر قسم کے حالات میں انہوں نے ان کے مناسب شریعت کی تفصیل کی ہے لیکن ملحدین برابر اس پراپیگنڈے میں مصروف رہے کہ علماء لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اجتہاد کی اجازت نہیں دیتے وقت کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے نہ حالات پر ان کی نظر ہوتی ہے اور نہ حالات کے مطابق ان کے افکار ڈھلتے ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی دینی جلسے یا محفل میں حکام و امراء میں سے کسی کو دعوت دی گئی تو انہوں نے علماء کی دینی کوششوں کو سراہنے کے ساتھ ساتھ ایک آدھ ایسا فقرہ ضرور چسپاں کیا کہ علماء کو وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کو پیش کرنا چاہیے۔ اس محفل میں یہ بات صراحت سے عیاں ہوتی ہے کہ بیان کرنے والے کے نزدیک علماء [illegible] تقاضوں کو سمجھے ہوئے نہیں اور ان کا نعرہ ایک بے وقت کی آواز سنائی دے رہا ہے۔

جن حضرات کو قانون اسلامی کی تدوین کے مختلف ادوار کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ [illegible] کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اہل باطل ہمیشہ اہل حق پر اسی قسم کے آوازے کستے آئے ہیں اور حالات نے جب بھی کبھی کروٹ لی ان لوگوں کا غصہ علماء پر ہی نکلا ہر شخص جانتا ہے کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور انہی سے علوم نبوت کا فیض آگے پھیلتا ہے جب وارث نااہل ہو تو مورث کی دولت خود لٹ جاتی ہے اور سلسلہ آگے نہیں چلتا اسلام کے وارث نااہل ثابت ہو جائیں تو متاع اسلام خود بخود ضائع سمجھی جائے گی۔ اسلامی اثرات کو ختم کرنے کے لئے علماء کے خلاف یہ مسموم پراپیگنڈا مسلسل ہوتا آیا ہے علماء کو بدنام کرنے کی ایک صورت دیکھیے ایک تجدد پسند لکھتا ہے۔

ایک طرف ترکی میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتداء ہو رہی تھی دوسری طرف ترکوں کے علماء اور مشائخ تھے جو اب بھی ساتویں صدی کی فضا سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے ..... وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی قوانین نافذ کیے جائیں جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں۔

انصاف کو آواز دیجیے کنز الدقائق کی وجہ سے ترکی کی کون سی ترقی رکی اور نئے ترکی میں شامی کے کس مسئلہ نے رکاوٹ پیدا کی یہ کہا جائے کہ نئے ترکی میں اذان اور نماز تک عربی میں نہ رہیں ترکی زبان میں ہونے لگیں اور یہ کتابیں نماز و اذان کے عربی میں ہونے کا درس دیتی تھیں تو آپ ہی بتائیں کہ اس میں صاحب کنز الدقائق اور شامی حق پر تھے یا وہ جدت پسند اتراک جو نماز کی بھی زبان بدل رہے تھے اور عربی کو اسلام کی سرکاری زبان تسلیم کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے۔ سچائی کے نقوش انمٹ ہوتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ

کی اب پھر ہدایہ اور شامی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اذانیں پھر عربی میں ہونے لگی ہیں۔ ابن نجیم اور شامی انقلاب پر قربان نہیں ہوئے بلکہ انقلاب ایک طویل گردش کے بعد اصل کی طرف آ رہا ہے۔

مذکورہ بالا تجدد پسند کی علمی حالت کو دیکھئے علامہ شامیؒ کو ساتویں صدی کا مصنف لکھ رہے ہیں حالانکہ وہ تیرھویں صدی کے جلیل القدر فقیہ تھے ۱۲۵۲ھ میں فوت ہوئے وہ کوئی رجعت پسند فقیہ نہ تھے کہ ان کے مرتب کردہ قوانین ترکوں کو ترقی سے روکتے ہوں عصری تقاضوں پر ان کی پوری نظر تھی ان کا اپنا موقف یہ تھا کہ زمانہ بدلنے پر بعض احکام میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے لکھتے ہیں:

وانت خبیر بان کثیرًا من الاحکام تتغیر لتغیر الازمان۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

ترجمہ: اور تم جانتے ہی ہو کہ بہت سے احکام تبدیل زمان کے باعث بدل جاتے ہیں۔

علامہ شامی کے مرتب کردہ قوانین کو اپنانے سے آئندہ ترقی کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ حالات کے نئے مسائل پر پہلے فقہی اصولوں کی روشنی میں فی الجملہ اجتہاد ہو سکتا ہے اور اس قسم کے اجتہاد کو ترکی علماء نے کبھی نہ روکا تھا جس شامی پر انہیں اصرار تھا وہ خود عصری تقاضوں پر تبدیل احکام کی راہ بتا چکے تھے مگر کیا کیا جائے علماء کو یونہی بدنام کرنے اور تنگ نظر قرار دینے کی کوشش پہلے سے چلی آ رہی ہے انگریزی تہذیب کا یہ لازمی جزو ہے کہ طبائع عامہ کو جس طرح بھی بن پڑے منبر و محراب سے دور کیا جائے۔ علامہ شامی کو ساتویں صدی میں لے جانے کی کوشش محض اس لئے کی گئی کہ علمائے ترکی کو زیادہ رجعت پسند ثابت کر سکیں۔

اکابر دیوبند نے بھی شریعت کی وسیع داماتی پر ہمیشہ نظر رکھی ہے عصری تقاضوں کا پورا لحاظ کیا ہے اور وقت کے نئے نئے مسائل پر حنفی اصول فقہ کی روشنی میں مجتہدانہ نظر کی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحریرات اس پر شاہد عدل ہیں اور اہل خبرت سے پوشیدہ نہیں کہ علماء حق نے کہاں کہاں پہلی غلط لکیر کو کتاب و سنت کی روشنی میں پامال کیا ہے۔

آج سے سو سال پہلے کا لاہور

لارڈ میکالے کا نظام تعلیم علم کو اس کی مسند سے اتار رہا ہے اب یہ مسند انگریزی عمل داری کی مشین میں رکھ دی گئی ہے دنیوی شوکت اور دفتری ملازمت کے خواہشمند جوان انگریزی سکولوں اور کالجوں کی طرف تیزی سے دوڑ رہے ہیں۔ حکمران قوم کے طور و اطوار محکوم قوم کی آنکھوں میں زینت بن کر اتر رہے ہیں مساجد اور مدارس کی چٹائیاں زیادہ تر نادار لوگوں کے لئے رہ گئی ہیں اور اب تو غریب اور نادار طلبہ کو بھی وظیفے ملنے لگے ہیں تاکہ ان چٹائیوں سے گرد صاف کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے۔

ہاں کچھ دین کے فداکار ان چٹائیوں سے چمٹے پڑے ہیں۔ یہ علمائے حق اپنی ہر سہولت کو قربان کر کے حکومت کے عتاب کا مورد بنے ہوئے ہیں کہ ابھی تک قرآن و حدیث کی تعلیم کیوں جاری ہے۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ ان بوریہ نشینوں کے زبان و قلم سے اب بھی انگریز خائف ہے انگریز ان کے خلاف خود نہیں خود مسلم قوم کو ہی کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی یہ پراپیگنڈا کر کے کہ علماء انگریزی پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور کبھی یہ کہہ کر کہ وہ دنیوی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہیں اور زمانے کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔

کچھ بھی ہو امت دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ دنیوی تعلیم کا طبقہ آہستہ آہستہ دین سے یکسر دور ہو رہا ہے۔ حکومت انگلشیہ کے پرزے صرف اسی مشین پر چل سکیں گے جس کے لئے انہیں ڈھالا گیا ہے معلوم نہیں ان تک اسلام کی باران رحمت کب پہنچے

گی اور ان کی دینی تعلیم کے لئے کب کہیں کوئی حرکت پیدا ہوگی۔

انگریزوں نے نظام تعلیم میں یہ تبدیلی اس لئے کی تھی کہ ۱۸۵۷ء کے تلخ نتائج ان کے سامنے تھے اس سے پہلے دہلی عربک کالج
میں نظام تعلیم دوشاخہ نہ تھا عربی اور رسوم ملک کے جاننے والے لوگ باقاعدہ عدالتوں میں بطور وکیل پیش ہو سکتے تھے۔ انگریزی تعلیم
لازمی نہ تھی دوسرے علوم کا ذریعہ زبان فارسی اور اردو تھا اسی طرح کے پڑھے لوگوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھلے تھے
اس صورت حال نے انہی درس گاہوں سے ایسے لوگ پیدا کئے اور انہی سے ملک میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ قوم پھر سے
آزادی پر آکھڑی ہوئی اب انگریزوں نے محسوس کر لیا کہ جب تک یہاں کا نظام تعلیم نہ بدلا جائے استعمار کو استحکام نہ مل سکے گا
انگریزی تعلیم لازمی کردی گئی۔ تاریخ فلسفہ اقتصادیات اور ریاضی تک کا ذریعہ زبان انگریزی قرار دی گئی۔ عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم
کے لئے بھی انگریزی کو ذریعہ زبان ٹھہرایا گیا تاکہ راسخ العلم علماء اس تعلیم میں بھی استاد نہ بن سکیں۔ سکولوں میں عربی فارسی اور اسلامیات
کے اساتذہ کی تنخواہوں کے گریڈ انگریزی اور تاریخ کے اساتذہ سے کم رکھے گئے۔ اور ان ادبی اور اسلامی علوم کو جو کبھی محفل دربار کی
ہیبت ہوتے تھے برسر عام حقیر کیا گیا نظام تعلیم کی اس تبدیلی کے بعد قوم کے بہترین دماغ غیروں کے سایہ میں پرورش پانے لگے ان
کی تربیت میں رہ کر حکومت کی مشینری میں پرزے اور دین کی حقیقی روشنی سے دور ہوتے گئے۔

حالات کا رُخ تبدیل کرنے کی الٰہی حکمت

ان حالات میں ضروری تھا کہ ان اداس نسلوں کو اپنے سے بیگانہ نہ ہونے دیا جائے
یہ نوجوان وحدت ملت کی صف سے سرکنے نہ پائیں علماء حق اس راہ گم کردہ قافلہ
کو پھر سے راہ سنبھلنے کی آواز دیں اور دینی اور عصری علوم میں رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس کوشش میں جو لوگ آگے بڑھیں ضروری
تھا کہ وہ خود علم دین میں پختہ اور عمل میں راسخ القدم ہوں مبادا نئی نسلوں کو اپنے قریب کرتے خود ان کے قریب جا پہنچیں اور ان کے تقاضوں
کے مطابق خود اسلام میں ہی ترمیم ہونے لگے۔

حالات کا رخ تبدیل کرنے کی الٰہی حکمت نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کو علی گڑھ کالج کی طرف متوجہ فرمایا آپ علی گڑھ تشریف
لائے آپ کے ساتھ علماء دیوبند کی ایک جماعت تھی آپ نے کالج کے طلبہ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں قوم کی متاع گم گشتہ کو یہاں تلاش کرنے
آیا ہوں اور آپ نے اس جدید دانشکدہ پر مجاہدانہ انداز میں عارفانہ نگاہ کی آپ نے نوجوانوں میں اسلام سے وابستگی اور انگریزی سے
آزادی کی ایسی روح پھونکی کہ جدید نسلوں کے منہ علماء کے خلاف بند ہو گئے اور نئی نسلوں کو راسخ العلم علما کو قریب سے دیکھنے کے بہترین
مواقع میسر آئے قدیم و جدید کے اس رابطے کی ضرورت پر شیخ الہند کے بعد سب سے زیادہ توجہ ان کے نامور شاگرد مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تھی
مگر افسوس کہ مولانا سندھی بیس سال سے زائد مدت کے لئے ہندوستان سے جلاوطن کر دیئے گئے انگریز کسی طرح نہ چاہتے تھے کہ قدیم و
جدید کا یہ رابطہ کچھ اور آگے بڑھے ان کی توپوری کوشش تھی کہ علی گڑھ اور دیوبند کو دو متوازی اور متقابل درس گاہوں کے طور پر پیش کیا
جاتا رہے اور دینی اور عصری علوم میں کوئی حقیقی رابطہ پیدا نہ ہو سکے تاہم اس سے انکار نہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس جلاوطنی سے
پہلے سندھ و ہند میں اس کام کے نقشے بچھا چکے تھے آپ نے سندھ کے مدرسہ دار الرشاد میں اسی انقلابی ذہن کی تربیت کی تھی اور دہلی کا
جامعہ ملیہ بھی اسی انقلاب کی صدائے بازگشت تھی پنجاب میں ان کے نامور شاگرد مجاہد کبیر شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ مصروف عمل ہوئے

حضرت مولانا احمد علیؒ

وطن قدیم ضلع سیالکوٹ تھا پھر گوجرانوالہ میں وطن پذیر ہوئے نو سال کی عمر تھی کہ حضرت مولانا
عبید اللہ سندھیؒ آپ کو سندھ لے گئے آپ نے مدرسہ دار الرشاد میں ہی تعلیم حاصل کی اور یہیں ...

کا کام شروع کر دیا۔ پھر آپ نے خود نواب شاہ میں ایک مدرسے کی بنا رکھی۔ وہاں سے حضرت سندھیؒ نے آپ کو دہلی نظارۃ المعارف میں بلا لیا۔ حضرت سندھیؒ نے کابل ہجرت کی۔ تو نظارۃ المعارف کی ساری ذمہ داریاں آپ پر آ گئیں اس دوران آپ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی تحریک ریشمی رومال کے رکن بن چکے تھے۔ مولانا احمد علیؒ اس تحریک میں گرفتار ہوئے دہلی شملہ اور لاہور نظر بند رہے۔ رہائی پر انگریز حکومت کا فیصلہ تھا کہ آپ کو دہلی نہ ٹھہرنے دیا جائے۔

حضرت مولانا احمد علیؒ کی لاہور میں آمد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے حکم سے آپ لاہور قیام پذیر ہوئے لاہور اس وقت کس حالت سے گزر رہا تھا۔ اس کا اجمالی نقشہ سطر بالا میں آپ کے سامنے آ چکا ہے ان حالات میں مولانا احمد علی صاحب نے لاہور میں دینی کام کرنے کا ذمہ لیا ایک دو جگہوں میں قلیل سی مدت کے لیے ٹھہرے اور بالآخر شیرانوالہ دروازہ تشریف لائے اور یہ وہ زمین تھی جو آپ کی آئندہ تمام دینی محنتوں کا مرکز بنی۔

آپ شیرانوالہ دروازہ مسجد لائن سبحان خان میں ٹھہرے ان دنوں مسجد بہت چھوٹی تھی۔ عصر کی اذان ہوئی تو کچھ دفتری طبقے کے لوگ بھی نماز پڑھنے کے لیے آ گئے۔ امام نے نہایت مشفقانہ انداز میں کہا بیٹا میں یہاں قرآن پڑھاتا ہوں کوئی فیس نہیں لیتا۔ دفتروں اور کالجوں سے فراغت کے بعد تم جس وقت یہاں آ سکو میں تمہیں قرآن پڑھا سکوں گا۔ تمہارے حالات اور اوقات کے مناسب ایک مختصر سا نصاب بھی تجویز کر دوں گا اس سے تم اپنی دنیوی تعلیم اور سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ کچھ اپنی دینی قدروں کو بھی باقی رکھ سکو گے۔

یہ لاہور میں مولانا احمد علی صاحب کے دینی کام کی ابتدا تھی۔ آپ نے ابتداء میں درس نظامی کا مدرسہ کھولنے کی بجائے نئے تعلیم یافتہ طبقے میں دینی محنت کرنے میں زیادہ دلچسپی لی۔ لوگوں کو براہ راست قرآن پاک سننے کی دعوت دی ترجمہ قرآن میں دلچسپی پیدا کی۔ یہاں تک کہ لاہور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے کچھ افراد قرآن پاک کے گرد جمع ہو گئے۔ قرآن کریم ایک کتاب ھدیٰ اور پیغام زندگی کے طور پر متعارف ہونے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کی بیشتر مساجد میں قرآن پاک کے درس شروع ہو گئے یہ سلسلہ آگے چل کر پھر سارے پنجاب میں پھیل گیا۔

ہندوستان میں پہلا ترجمہ قرآن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فارسی میں کیا تھا۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے قرآن کریم کے "لفظی" اور بامحاورہ اردو ترجمے کیے۔ یہ تراجم وقت کی منہ بولتی شہادت تھے۔ کہ اس وقت غیر عربی دان لوگوں کو بھی قرآن پاک کے گرد جمع کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ شاہ ولی اللہ کی اسی فکر کے ترجمان مولانا عبیداللہ سندھیؒ تھے۔ آپ کو قرآن پاک سے والہانہ عشق تھا۔ آپ قرآن کریم کو کتاب انقلاب سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ میں قرآن فہمی کا عجب ذوق پیدا کر دیا تھا۔ مولانا سندھی نے قرآن پاک کی سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد اپنے جن طلبہ کو یاد کرائے۔ ان میں مولانا احمد علی صاحبؒ سرفہرست تھے۔ آپ نے اپنے حلقہ اثر میں یہ ذہن پیدا کیا۔ کہ فقہ و حدیث کی جملہ تعلیمات سب قرآن پاک کے گرد ہی گردش کرتی ہیں اور سب اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمان اور ان کی نئی نسلیں قرآن پاک کے آگے کسی قسم کی لب کشائی نہ کر سکتے تھے نہ کوئی مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے اس مرکز علم سے کنارہ کر سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ مسلمان کو قرآن کریم کے گرد جمع کیا جائے اسی قرآنی دعوت کو لے کر مولانا احمد علی لاہور آئے اور پھر لاہوری ہی ہو کر رہ گئے آپ کی زندگی کا محور یہی کتاب انقلاب تھی۔

قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر کے ساتھ آپ قرآن پاک کے اعتبار و تاویل سے بھی خوب واقف تھے ان مطالب پر آپ کی گہری نظر تھی قرآنی دعوت میں عصر حاضر کے مصداق تلاش کرنے میں آپ کو بڑی مہارت تھی آپ انہیں تفسیر کے نام سے نہیں الاعتبار و

التاویل کے عنوان سے ذکر کرتے تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو نتائج وعبر کے اس انداز سے اختلاف تھا
کر گرفت سے نکل گئے ہیں۔
آپ نے فرمایا کہ مولانا احمد علیؒ اسے الاعتبار والتاویل کا عنوان دے

اسلاف دیوبند پر متزلزل یقین

مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی
کی روشنی میں قرآن پاک کا ایک مختصر اور جامع حاشیہ تحریر فرمایا آپ نے
میں سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد نہایت ایجاز اور سادہ زبان میں ترتیب دیے جہاں جہاں مضمون
موضوع پر جمع دکھائی دیئے ان کی موضوع وار طویل اور مفصل فہرست اپنے حاشیہ قرآن سے بطور مقدمہ شامل فرمائی۔ عصری تقاضا تھا کہ
سے ہر ممکن پرہیز کی جائے اس لئے آپ نے ترجمہ قرآن پر ہر مسلک کے علماء کی تائید حاصل کی آپ کی پوری کوشش تھی کہ قرآن پاک کا ایک
حاصل قوم کے سامنے رکھ سکیں۔

آپ جب یہ سارے مسودے تیار کر چکے تو انہیں لے کر دیوبند پہنچے۔ دیوبند میں ان دنوں محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ شیخ التفسیر
حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا دور دورہ تھا۔ آپ نے یہ سب مسودات ان حضرات کے سامنے
رکھ دیئے۔ اور بتایا کہ انہوں نے یہ قرآنی محنت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تعلیمات کی روشنی میں سرانجام دی ہے مولانا سندھیؒ پر چونکہ سیاسی افکار غالب
تھے۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ خالص دینی نقطہ نظر سے بھی اس قرآنی خدمت کا جائزہ لیا جائے۔ اگر اکابر دیوبند اس کی تصدیق فرما دیں تو ان
شائع کردیں گے۔ ورنہ وہ یہ مسودات یہیں چھوڑ جائیں گے۔ پھر ان کی انہیں کوئی حاجت نہ ہوگی۔

اکابر نے ان کی تصدیق کی اور حضرت شیخ التفسیر مرکز دیوبند سے تصدیق لے کر لاہور واپس ہوئے۔ اس ترجمے اور تحشیے کی اشاعت کا م
نہ صرف اشاعت کی بلکہ درس و تدریس میں بھی قرآن کریم کا ذوق ہزاروں مسلمانوں کے دل و دماغ میں اتار دیا۔

اسلاف کی میراث علمی میں امانتداری

حضرت مولانا احمد علیؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے ساتھ تقوے و تواضع سے بھی
خوب مالا مال کیا تھا۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نظریات و خیالات میں آپ
نے کبھی کوئی آمیزش نہ کی جو ان کی بات تھی ان کے نام پر کہی جو اپنی بات تھی۔ وہ اپنی ذمہ داری پر کہی۔ اور اپنے خیالات میں بھی اپنے آپ کو آزاد
رکھا۔ بلکہ ہر موضوع پر اکابر علماء اُمت کے ساتھ رہنے کی کوشش کی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے ایک شاگرد علامہ موسیٰ جاراللہ بھی تھے۔ افسوس کہ
اس درجہ میں محتاط نہ رہے۔ اور کئی اپنی باتیں انہوں نے مولانا سندھی کے نام سے کہہ دیں۔ مولانا سندھی کے نام سے انہوں نے جو تفسیریں لکھی اگر وہ
خود زندہ ہوتے تو شاید انہیں الاعتبار والتاویل کے سوا کسی اور نام سے پیش نہ کرتے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب نے کئی مجلسوں میں فرمایا کہ حیات مسیح
کے بارے میں مولانا عبیداللہ سندھی وہی عقیدہ رکھتے تھے۔ جو دوسرے علماء دیوبند کا ہے۔ مگر افسوس کہ موسیٰ جاراللہ اپنی بات مولانا سندھی کے
نام سے کہہ کر لوگوں کو مغالطہ دے رہا ہے۔ مولانا سندھی کے نظریات وعقائد وہی ہیں جو میں نے حاشیہ قرآن میں لکھ دیئے ہیں۔

جامع مسجد شیرانوالہ میں روزانہ درس قرآن

حضرت مولانا احمد علیؒ کو روزانہ درس قرآن سے عجیب شغف تھا۔ آپ کی تمنا
کہ جس دن میری وفات ہو۔ اس دن کا درس قرآن بھی میں نے دیا ہو۔ آپ کا انداز بیان
بہت سادہ سلیس اور رواں ہوتا تھا۔ حقائق و معارف اور نکتہ آفرینیاں آپ عام مجالس میں پسند نہ فرماتے تھے۔ آپ کی رائے تھی۔ کہ ان باریکیوں سے
ذوق یقین میں تو ضرور اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن عملی زندگی کو کوئی تازیانہ ہمت نہیں ملتا۔ الٰہی پیغام اصل میں زندگی کا درس ہے ایک راہ عمل ہے۔ حائل

اس میں ضمنی طور پر آتے ہیں انہیں موضوع اور مقاصد کے طور پر اپنانا صحابہ کرام کا طریق نہ تھا۔
آپ کے اس سادہ انداز بیان میں عجیب تاثیر تھی اب تک نہیں سنا گیا۔ کہ آپ کے حلقے کا کوئی شخص پھر کبھی اس حلقے سے پھرا ہو جدید تعلیمیافتہ
آپ کے اس سادہ بیان کے گہرے نقوش اترنے علامہ علاؤالدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی اور ڈاکٹر سید عبداللہ سابق پرنسپل
کالج لاہور جیسے جدید تعلیمیافتہ حضرات پر دینی چھاپ شیرانوالہ کے اسی حلقہ قرآن سے لگی تھی۔
اس درس میں بیسیوں آدمی کاغذ قلم لے کر بیٹھتے اور پورے درس کو قلم بند کرتے پھر یہ تحریرات آگے چلتیں اور معلوم نہیں لاہور میں کتنے گھر
جن میں وہ درس دہرایا جاتا اور سننے والوں کو ابدی سچائی اور حیثیت خداوندی کی دولت ملتی

علماء کرام کے لئے سالانہ دورہ قرآن

آپ فارغ التحصیل علماء کرام کو ہر سال دو ماہ میں پورا قرآن پاک پڑھا دیتے تھے۔ یہ دورہ قرآن حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر اور مولانا عبیداللہ سندھی کی قرآنی بصیرت کا
طرح آئینہ دار تھا۔ یہ دورہ رمضان سے شروع ہو کر ذوالقعدہ پر ختم ہوتا ختم پر آپ انہیں وہ سند عطا فرماتے جس پر محدث کبیر امام العصر مولانا سید
شاہ صاحب شیخ التفسیر والحدیث مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
دستخط ہوتے یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ علماء کی یہ جماعت کوئی نئی جماعت نہیں بلکہ یہ سب قافلہ حضرت شیخ الہندؒ کے دم قدم سے رواں دواں ہے

نئے انداز تفسیر کا ایک عجیب سلسلہ

مذکورہ حاشیہ قرآن کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک تفسیر ایک نئے انداز میں لکھنی شروع کی تیسویں پارے کی کچھ سورتیں شائع بھی کیں تفسیر کے ساتھ ساتھ الاغنیا روالتاویل کا حاشیہ
کیا اور نئے تقاضوں کے مطابق تفسیر ایک نئے انداز میں پیش کی۔ یہ تفسیر عام لوگوں کے مدارک سے کچھ اونچی تھی۔ اور بعض اکابر بھی اسے عام
میں نفع بخش نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے اس سلسلہ کو اور آگے نہ بڑھایا آپ فرماتے تھے کہ نئی تفسیر سے مجھے اتحاد امت زیادہ
ہے۔ جس تفسیر سے ایک اختلاف اور بڑھے۔ اسے شائع نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

شاہ ولی اللہ کا پیغام انقلاب

حضرت مولانا احمد علیؒ کی دینی اقتصادی اور سیاسی فکر کا مرکز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ذات تھی۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی نظر نے اسے اور جلا بخشی تھی مولانا
علی لاہور میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شاہ ولی اللہؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کو باقاعدہ نصاب میں داخل کیا۔ دورہ تفسیر پڑھنے والے علماء
سے اسے سبقاً پڑھتے اور دینی فکر و ذوق رکھنے والے غیر عربی دان حضرات اور جدید تعلیمیافتہ لوگ اس کے درس دانش پر سر دھنتے

وقت کی ہر دینی تحریک ہر نعرہ آزادی اور ہر دینی سیاست کی آبیاری

حلقہ شیرانوالہ سے ہوتی مولانا محمد علی جوہر مولانا عبدالشکور لکھنوی مولانا حسرت موہانی ڈاکٹر علامہ اقبال مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری مولانا ظفر علی خان
تحریک تنظیم سردار احمد خان پتافی حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور میر عبدالقادر اور مولانا داؤد غزنوی خلیفہ شجاع الدین آغا شورش
کشمیری اپنی اپنی لائنوں میں کام کرتے ہوئے حضرت مولانا احمد علی صاحب کے پاس مشوروں اور دعاؤں کے لیے حاضری دیتے اور اس طرح
حضرت مولانا کا حلقہ شیرانوالہ دینی اور ملی فکر و عمل کا عجیب گل و گلزار بنا رہتا

سب مجاہدین سے رابطہ عمومی

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کے بعد تحریک جہاد دب گئی تھی۔ مگر یکسر ختم نہ ہوئی
تھی۔ ملکہ بقول ہنٹر یہ تحریک قائدین کی زندگی و موت سے بہت آگے جا چکی تھی۔ آزاد قبائل مجاہدین کے کیمپ کی پشت پناہ بنے رہے تحریک

الہند کا اس کیمپ سے بہت قریب کا رابطہ رہا۔ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔ وہ یاغستان پہنچے۔ تو انہیں پتہ چلا کہ شیخ الہند کس طرح نصف صدی سے اس کیمپ کی امداد کر رہے تھے۔ مولانا احمد علی صاحبؒ کا مجاہدین کے اس کیمپ سے برابر رابطہ تھا۔ اور آپ قیام پاکستان تک مجاہدین کی مسلسل مالی امداد فرماتے رہے۔ یہ مخفت انگریز حکومت سے صیغۂ راز میں رکھی جاتی۔ اور ان پر خلوص کوششوں کا صدقہ تھا کہ اس دن اس ملک پر بھی آزادی کا سورج چمک کر رہا۔ قیام پاکستان کے وقت مولانا فضل الٰہی ان مجاہدین کے امیر تھے۔ ان کا ذکر تحریک شیخ الہند مطبوعہ دہلی میں بھی موجود ہے۔

حضرت امروٹیؒ اور حضرت دینپوریؒ کا فیضان

حضرت مولانا احمد علیؒ ان کاملین میں سے تھے۔ جو اسباب و وسائل کی فراہمی اور انسانی تگ و دو کی پوری بساط کے باوجود اصل مسبب الاسباب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر ان کی ہمت ہمہ تن اسی کے در رحمت پر دستک دیتی ہے۔ اور وہ اسی ذات باری سے اشد قبولیت کی بھیک مانگتے ہیں۔ اس نظر و فکر میں ضرور کام ہو جاتا ہے۔ کہ ان کی روحانی سیر بہت وسیع ہو۔ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت امروٹیؒ اور حضرت دین پوریؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ اس فیضان نے آپ کی نظر و فکر کو اور جلا بخشی اور اس کے ثمرات یہاں تک پھیلے کہ لوگ اطراف ملک سے آپ کی مجلس ذکر میں حاضر ہونے لگے۔ آپ کا طریق قادری تھا۔ اور اس راہ سے آپ کے گرد اہل اللہ کا ایک حلقہ قائم ہو گیا۔ آپ کی یہ مجلس ذکر اب تک جاری ہے اور حضرت مولانا عبیداللہ انور اس کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

تالیف و اشاعت کے کام کی اہمیت

حضرت مولانا احمد علیؒ اہل حق کے پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے پنجاب میں رشد و ارشاد کے ساتھ ساتھ تالیف و اشاعت پر زور دیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ نوجوان اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے اسلامی لٹریچر کی بہت ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا یہ بھی احساس تھا کہ وہ لٹریچر بہت سادہ اور سماوی ہدایت پر مبنی ہونا چاہیے۔ آپ نے اس کے لیے جدوجہد کی ترجمہ تفسیر، تبلیغی رسائل اور ہفت روزہ خدام الدین سے اس ضرورت کو باحسن وجوہ پورا کیا۔ آپ کی اس سادگی میں عجیب اثرات تھے۔ جو شخص اس لٹریچر سے مستفید ہوتا۔ اس کے اعمال و افکار اور اخلاق و کردار میں ایک عجیب نور پیدا ہو جاتا آپ سے پہلے سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء ایک خاص انداز کے اسلامی لٹریچر کی بناء رکھ چکے تھے اس حلقے کا کہنا تھا۔ کہ اسلام کو اب جدید سائنٹیفک انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے خدا اور رسول کے نام سے اب یہ سکہ زیادہ دیر تک نہ چل سکے گا۔ انہوں نے نیچر اور اصول فطرت پر اپنے لٹریچر کی بناء رکھی سرسید کا خیال تھا۔ کہ اب تفسیر اور حدیث کے پرانے ذخیروں سے اسلام آگے نہ بڑھ سکے گا۔ اب اسلام کی ایک ایسی تصویر کی ضرورت ہے۔ جس کو نئی نسلیں قبول کریں ورنہ اندیشہ ہے۔ کہ قوم اسلام کے ایک زبردست بحران سے دوچار ہو جائے گی۔ ان جدید مصنفین نے اسی جدت پسندی میں معجزات انبیاء کے خرق عادت ہونے کا انکار کیا۔ عصمت انبیاء میں تشکیک کی راہیں پیدا کیں۔ یہاں تک کہہ دیا۔ عصمت انبیاء کے لوازم ذات میں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اسے ان سے اٹھا بھی لیتے ہیں۔ ان عقلی موشگافیوں الحاد پرور نظریات اور نئے دور کی ہم آہنگی سے اس اسلامی لٹریچر سے برکت اٹھ گئی۔ اور عفونت آگئی چونکہ اس الحاد میں ایک ادبی چاشنی تھی۔ اس لیے مغرب زدہ ذہن تو اسی لٹریچر پر قربان ہوتے تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے سرسید احمد خاں کو ان نتائج سے بروقت متنبہ کر دیا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ پراپیگنڈہ بدستور جاری رہا۔ کہ جدید نسلوں کو یہی لٹریچر اور یہی فہم قرآن متاثر کرتا ہے۔ نوجوان علماء کے علمی انداز سے چنداں اثر نہیں لیتے۔

ان حالات کا مولانا احمد علی صاحب کے ذہن پر خاص اثر تھا۔ آپ کو شدید احساس تھا کہ اسلام کو خدا اور اس کے رسول پاکؐ کے نام
سے نہایت آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے۔ یہ دین فطرت ہے خود لوگوں کو جذب کرے گا دین فطرت کی آواز اثر دینے میں کسی خارجی
چاشنی اور تغیر پذیر علم جدید کی محتاج نہیں۔

ضرورت وقت کے مطابق تبلیغی رسائل

آپ نے مختلف موضوعات پر پچیس کے قریب مختصر رسائل تصنیف فرمائے
رسائل وقت کے اہم موضوعات پر اپنے ایجاز و اختصار سادگی اور روانی اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کے ترجمہ قرآن کے
ردیع میں ان کی مبسوط فہرست دی گئی ہے۔ عقائد معاملات عبادات اصلاح معاشرہ اور فضائل اخلاق کے ہر باب میں ان میں صحیح دینی رہنمائی
موجود ہے۔

اسلامی لٹریچر کا اسلامی رنگ

اسلامی لٹریچر کی آفاقی تاثیر اس اصول پر مبنی چلی آئی ہے۔ کہ دعوت پیش کرنے والا خود اس
پر کوئی اجرت نہ لے اس دینی آواز پر اس کی کوئی رائلٹی مقرر نہ ہو۔ دین کی آواز پیغمبرانہ اتباع
سے اٹھے اور پیغمبرانہ اتباع پر ہی ختم ہو۔ تجارت پیشہ حلقے جو اسلامی لٹریچر پیش کرتے ہیں دیدہ زیب کتابت وطباعت اور زرق برق ظاہر
کے باوجود جتنی لٹریچر کی وسعت ہوتی ہے۔ اتنا ہی بے دینی میں اور اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور دنیا حیران ہے کہ سالہا سال کی ان کوششوں
نے ذہنوں میں کیوں انقلاب پیدا نہیں کیا۔ مولانا احمد علیؒ کی اس اصول پر پوری نظر تھی۔ آپ نے اعلان فرمایا۔ کہ جو اسلامی لٹریچر میں نے تحریر کیا
ہے اس کی آمدنی کا کوئی پیسہ مجھ پر اور میری اولاد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی۔ کہ میرے بعد بھی مطبوعات خدام الدین
میں تمہارا کوئی حصہ نہیں رسالہ خدام الدین میں تمہیں لینا ہو تو قیمت ادا کر کے لینا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وعظ یا تقریر کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں۔
(نوٹ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تو اس اصول میں اتنے آگے نکلے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنی تصنیفات
کا کسی کے حقوق تک اپنے نام محفوظ نہیں کیے۔ اور اللہ تعالے نے پھر ان میں عجیب برکت دی آپکی ایک کتاب کو ہی لیجیے بہشتی زیور آپ
کی زندگی میں ہی دنیا کی سترہ زبانوں میں منتقل ہو چکا تھا۔

انجمن خدام الدین کا قیام

آپ نے اپنی دینی خدمات کو ترتیب دینے کے لیے ۱۹۲۴ میں انجمن خدام الدین قائم کی آپ
اس کے پہلے امیر تھے۔ آپ کی تالیفات کا انتظام وانصرام سب اس انجمن کے سپرد ہے۔
آپ نے یا آپ کی اولاد میں سے کسی نے آج تک اس انجمن سے ایک پیسے کا نفع بھی نہیں لیا۔ انجمن اپنے دائرہ کار میں عملی سیاست سے
بیشتر یک طرف رہی ہے۔ مولانا احمد علی صاحب نے ہمیشہ کوشش کی کہ خدام الدین کے پلیٹ فارم کو فرقہ وارانہ انتشار اور سیاسی معرکہ
آرائی سے محفوظ رکھا جائے اس کا مقصد گھر گھر دفتر دفتر اور تعلیمی اداروں میں خالص دینی دعوت پیش کرنا اور راہ عمل کی فضا ہموار کرنا ہے۔

پنجاب میں اکابر علماء دیوبند کا تعارف

انجمن خدام الدین لاہور کے زیر اہتمام لاہور میں پہلا جلسہ عام تھا۔ جس میں محدث
کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب شیخ التفسیر والحدیث مولانا شبیر احمد
عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی جیسے اکابر تشریف لائے۔ اس سے مدتوں پہلے دارالعلوم دیوبند کی علمی شہرت یہاں تک
پہنچ چکی تھی لیکن اہل پنجاب کو قریب سے ان اکابر کو دیکھنے کا ابھی موقعہ نہ ملا تھا۔ حضرت مولانا کی کوششوں سے اہل پنجاب اکابر علماء
امت سے روشناس ہوئے اور انہی جلسوں کا ثمرہ تھا کہ علامہ ڈاکٹر اقبال کو اکابر دیوبند سے علمی فیض کی دولت ملی۔

سیاسی خدمات : آپ قیام پاکستان تک جمعیت علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے لیکن تحریک پاکستان میں آپ نے کانگریس کا ساتھ نہ دیا خاموشی اختیار کرلی۔ تحریک آزادی میں آپ صف اوّل کے کارکنوں میں تھے شیخ الہند کی ریشمی رومال کی تحریک میں آپ کہاں تک پیش پیش تھے ۔اس کا اندازہ آپ برٹش سی آئی ڈی کی اس رپورٹ سے لگا سکتے ہیں جو حال میں لندن سے ریلیز ہوئی ہے ۔اس میں گیارہویں نمبر پر یہ نام درج ہے ۔

۱۱۔احمد علی مولوی نائب ناظم نظارۃ المعارف پسر شیخ حبیب اللہ آف باہو چک ضلع گوجرانوالہ

۱۔مولوی عبداللہ سندھی کابل میں مولوی عبیداللہ (سندھی) سے جو فتاوے اور خطوط لایا تھا ۔وہ ایم احمد علی کے لیے تھے ۔جس نے خطوط وغیرہ مکتوب الیہم میں ٹھیک تقسیم کرادیئے تھے ۔اس کا رابطہ محی الدین عرف برکت علی بی اے آف قصور خواجہ عبدالحی آف گورداسپور ڈاکٹر صدرالدین ابوالکلام آزاد (مولانا) حسرت موہانی وغیرہ وغیرہ سے تھا ۔لاہور ضلع گورداسپور سے اسے آنے جانے کی ممانعت کردی گئی تھی ۔بعد میں ضمانت پر اسے مارچ ۱۹۱۷ء میں رہا کردیا گیا۔

۲۔جنود ربانیہ کی فہرست میں وہ کرنل ہے ۔بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ایم احمد علی اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا نظارۃ المعارف میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی ۔علاقہ کو جانے اور وہاں سے آنے والے سازشی اس میں ٹھہرا کرتے تھے (رپورٹ سی آئی ڈی مندرجہ تحریک شیخ الہند صفحہ ۲۹۴،۲۹۵ مطبوعہ

اس رپورٹ سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ مولانا احمد علی تحریک آزادی کے ہراول دستہ میں کس بے جگری سے لڑے آپ مولانا عبیداللہ سندھی کے اسی طرح معتمد شاگرد تھے ۔جس طرح مولانا عبیداللہ سندھی حضرت شیخ الہندؒ کے نہایت معتمد شاگرد اور سیاسی رفیق تھے ان کے گہرے تعلق کا اثر تھا کہ مولانا احمد علی کا نکاح حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبند کی جامع مسجد میں پڑھایا تھا۔

تقسیم ملک تک مولانا احمد علی جمعیت علماء ہند کے ممبر تھے ۔تقسیم ملک کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مولانا احمد علی صاحب کو لکھا کہ تقسیم ہند کے بعد آپ کا تعلق جمعیت علماء ہند سے ٹوٹ چکا ہے ۔اب آپ پاکستان کی بہبود اور استحکام کے لیے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تعاون کریں اور جمعیت علماء اسلام میں شامل ہوکر اپنے ملک کی خدمت کریں آپ نے یہ بھی لکھا کہ تقسیم ملک تک میری رائے تقسیم ملک کے خلاف تھی ۔لیکن اب جبکہ ملک قائم ہوچکا ہے ۔اور اسلام کے نام پر ایک نیا آزاد ملک قائم ہوچکا ہے ۔تو اب مسلمانوں اور اسلام کی عزت کا تقاضا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ استحکام نصیب ہو ۔مولانا احمد علی صاحب ذکر فرماتے تھے ۔کہ اس خط نے ان پر گہرے نقوش چھوڑے اور انہوں نے ارادہ کرلیا کہ اب وہ جمعیت علماء اسلام کے تحت ملی اور ملکی خدمات سرانجام دیں گے ۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد ان اکابر کے قریب کے علماء جمعیت کی بیل کشتی کو کچھ زیادہ ہمت سے نہ چلا سکے پاکستان پارلیمنٹ میں قرارداد مقاصد پاس ہوچکی تھی ۔اور اس کا تقاضا تھا ۔کہ علماء حق زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوکر پاکستان کو ایک صحیح اسلامی سلطنت بنانے کے لیے محنت کریں ۔علماء حق اسی احساس شدید سے ملتان میں جمع ہوئے ۔اور جمعیت علماء اسلام کی قیادت و امارت کے لیے حضرت مولانا احمد علیؒ کو منتخب کیا گیا ۔حضرت مرحوم نے اپنے دور امارت میں جمعیت علماء اسلام کی ذمہ داریاں باحسن وجوہ سرانجام دیں حالات کے ہر نازک موڑ پر نہایت عزم وہمت کا مظاہرہ کیا ۔ارباب اقتدار پر نہایت جرأت مندانہ تنقید کی ۔اور آخر وقت تک آپ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر رہے ۔

کے دین کی حفاظت کے بھی ذمہ دار ہیں —— لہذا حکومت پاکستان کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ مسلمانان پاکستان کے لئے نماز کو ضروری قرار دے اور اس کے ترک کرنے کو جرم ٹھہرائے۔ وما علینا الا البلاغ۔ صد ۳۹/۴۰)

اس مضمون کے آخر میں حضرت نے یہ دعا کی ہے کہ : وزیر اعظم پاکستان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے انہیں حق کہنے کی توفیق دی ہے انہیں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی بھی توفیق دے۔ آمین یا اللہ العالمین۔ الخ (استحکام پاکستان صد ۴۵)

جمعیت علمائے اسلام کی قیادت

قیام پاکستان کے بعد جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے صدر اور سربراہ شیخ الاسلام علامہ بشیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رہے ہیں لیکن آپ کی وفات کے بعد جمعیت کی تنظیم کا کام کچھ عرصہ ملتوی رہا۔ اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت تھانوی رح کو جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے بوجہ بیماری اور بڑھاپے کے یہ کام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی دارالعلوم کراچی خلیفہ حضرت تھانوی کے سپرد کر دیا اور بالآخر مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں جمعیت علمائے اسلام کے جدید انتخاب کے لئے ملتان میں علماء کا ایک کنونشن منعقد ہوا، جس میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رح کو جمعیت علمائے اسلام کا صدر منتخب کیا گیا اور پھر وفات تک حضرت ہی جمعیت کے صدر رہے ہیں اور جب ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب نے مارشل لاء نافذ کیا اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی تو علمائے کرام نے مذہبی تنظیم کے لئے نظام العلماء کے نام سے ایک جماعت قائم کر لی۔ اس کے صدر بھی حضرت شیخ التفسیر منتخب کئے گئے۔ اس دوران جب صدر ایوب نے خلاف اسلام عائلی قوانین کا نفاذ کیا تو حضرت لاہوری رح کی قیادت میں علمائے اسلام نے اس کی سخت ممانعت کی۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں مارشل لاء کے دوران ایک جلسہ عام باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور رکھا گیا جس میں حضرت امیر مولانا لاہوری رح نے صدر ایوب کے خلاف شریعت اقدامات کے خلاف سخت تقریر فرمائی، جس کے نتیجہ میں آپ کو ۶ ماہ کے لیے شہر لاہور کی حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔

برکات امیر رح

حضرت اعلیٰ لاہوری قدس سرہ کی قیادت و امارت میں جمعیت علمائے اسلام اور نظام العلماء نے بہت ترقی دی اور یہ ہر ضلع میں جمعیت کی تنظیمیں قائم ہو گئیں۔ بندہ کاتب الحروف کو حضرت نے جمعیت علمائے اسلام ضلع جہلم کا امیر اور مجلس شوریٰ کا ممبر نامزد فرما دیا تھا اس دور میں جمعیت کے

دین پر فتنوں نے جب ہر سمت سے یلغار کی — کاذبِ ربوہ نے اِک جانب سپہ تیار کی
سندھ کی سرحد اُدھر پرویزیوں نے پار کی — تھی کمک اچھرہ کو حاصل مشرقی سالار کی

تو نے ہر فتنے کی سرکوبی سرِ بازار کی

منتخب ہوں حضرتِ سندھیؒ کے جو قائم مقام — بزمِ شیخ الہند سے جس نے پیئے وحدت کے جام
دین پور امروٹ سے جن کو ملا ہو فیضِ عام — عمر گزری خدمتِ قرآن میں جن کی تمام

اُن کے زہد و اِتقا پر کس کو ہے تابِ کلام

حفظِ دیں کے واسطے جتنی بھی تحریکیں اٹھیں — آپ نے بڑھ چڑھ کے سب میں خدمتیں انجام دیں
ہو خلافت، یا شدھی یا انجمن خدامِ دیں — مسئلہ ختمِ نبوت کا ہو یا تبلیغِ دیں

آپ نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی کہیں

اب وہ ذکر و کیف کی نبی مجلسیں باقی نہیں — مجلسیں باقی ہیں پر اس شان کا ساقی نہیں
کشف و جذبِ دل کی کیفیات آفاقی نہیں — پھر بھی لیکن فرض سے غافل نیا ساقی نہیں

نام کو بھی آشنائے رمزِ قزاقی نہیں

ہیں عبیداللہ انورؔ آپ کے قائم مقام — سرپرستی میں انہی کی چل رہا ہے سب نظام
مے کشوں سے حسبِ سابق پُر ہے مے خانہ تمام — ہے اسی صورت نئے ساقی کا جاری فیضِ عام

حق تعالےٰ اپنی رحمت سے اسے بخشے دوام

قلبِ عالم کو رہا سرِ رسد اکرتا تلاش — کیا خبر تھی ہے اسی بستی میں ان کی بود و باش
آپ کی رحلت سے پہلے مجھ پہ کھل جاتا یہ کاش — تربتِ اطہر کی خوشبو نے کیا جو راز فاش

دل اسی افسوس و غم سے ہو رہا ہے پاش پاش

توحید کی شمشیر

شورش کاشمیری (مرحوم)

عمر بھر قرآن کا پیغام پھیلاتا رہا — ہر گھڑی اسلام کی تبلیغ فرماتا رہا
دوستدارانِ جنوں کا دل بڑھانے کیلئے — اپنے تلوے راہ کے کانٹوں سے سہلاتا رہا
گوشۂ زنداں ہو کہ دار و رسن کے ساز پر — داستانِ جرأتِ اسلاف دہراتا رہا
سیدِ خیر البشر کے خلق کی تصویر تھا — اس صنم آباد میں توحید کی شمشیر تھا

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ

فقت، اصابتِ رائے، سلوک وارشاد کے آئینہ میں ایک آپ بیتی

حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ کی زیارت سے میں لاہور ہی میں
رف ہوا ہوں۔ اس سے پہلے اپنی تعلیم کے زمانے میں مراد
اد ہی سے اسم گرامی سنتا آیا تھا وہاں کے طلبہ جو دور
از کے (صوبہ بہار وغیرہ کے تھے) دورۂ تفسیر پڑھنے لاہور
کرتے تھے۔

دیوبند میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور مدظلہم سے
لی بار ملاقات ہوئی پھر لاہور میں ۱۹۵۳ء میں بتوسط مولانا
ید اللہ صاحب رحمہ اللہ حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب
ۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

میں حضرت کی خدمت میں اور حضرت اقدس مولانا شاہ
بدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں صرف دُعا
درخواست کے لیے معمولاً حاضری دیتا رہتا تھا۔ اور بحمد اللہ
خر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ چونکہ حاضری کا مقصد صرف یہی
ہوتا تھا۔ اس لیے ان دونوں گرامی قدر حضرات کے متوسلین
رام سے ان حضرات کی رحلت کے بعد مراسم ہوئے۔ ان کی خدمت
یں حاضری دے کر فوراً ہی واپس چلا جاتا تھا۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ کی خدمت میں شروع میں زیادہ
حاضری تو جامعہ مدنیہ کے لیے رہنمائی کے سلسلہ میں ہوتی رہی
یس کی ایک خاص وجہ جامعہ کا ایک تاریخی موڑ تھا کہ اس کے
جگہ کی تلاش تھی۔ ہمارے کچھ مرحوم دوستوں نے ماڈل ٹاؤن
یں جگہ کی پیش کش کی جو ہمارے اراکین نے مان لی۔

یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جامعہ مدنیہ کی ابتداء اسطر
اور اس غرض سے ہوئی تھی کہ عربی مدارس کے فارغ التحصیل
طلبہ کو انگریزی زبان حساب۔ سائنس، جغرافیہ اقتصادیات، ا
ایل۔بی کا کورس پڑھا کر کمیونزم کے مقابلے میں اور دنیا کے تما
قوانین کے مقابلہ میں اسلامی قوانین کا موازنہ کرنے کے لیے ا
مبلغ تیار کیے جائیں۔ انھیں امتحانات نہ دلائے جائیں تاکہ
ملازمتوں میں مصروف نہ ہوں اور فریضۂ تبلیغ سے جس کا اہ
اہل نبایا جارہا ہے۔ غافل نہ ہونے پائیں اس کے لیے چار س
نصاب تجویز کیا۔ نیز اس دوران اس خیال سے کہ وہ علوم عربیہ دینی
سے بے بہرہ نہ ہونے پائیں۔ ان کے لیے نہایت قابل عربی علوم
کے مدرّس رکھے گئے اور چار سالہ ایک خاص نصاب تجویز کیا گیا۔

جن دوستوں نے ماڈل ٹاؤن میں جگہ تجویز کی تھی وہ جامعہ کے
بنیادی مقصد کو نہ سمجھ سکے۔ میں ہندوستان گیا وہاں تقریباً
ایک ماہ کا عرصہ ٹھہرا۔ واپس آیا تو ان حضرات نے اراکین کی
بہت بڑی نئی باڈی تشکیل کر لی اور انہوں نے جو تجاویز طے
کیں ان میں شروع سے طالب علم کو انگریزی تعلیم دلانا کر دیا
ثانوی درجہ میں عربی تعلیم کر دی۔

میں نے یہ صورتِ حال حضرت کی خدمت میں رکھی
ساتھ میں کچھ ممبران بھی تھے۔ خاص طور پر جناب غلام دستگیر
صاحب تو ہر ملاقات میں لازماً ہوتے تھے۔ حضرت لاہوری
قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں۔

مدرسہ ماڈل ٹاؤن نہ لے جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ وہ اپنا مدرسہ خود ہی جدا نام سے چلائیں۔

ہم نے عرض کیا کہ یہ بات ان لوگوں سے جناب کا نام لے کر عرض کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا نام لے کر صاف کہہ دیں۔ جو صاحب ہمیں وہاں لے گئے تھے وہ مرحوم حضرتؒ سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔ ان سے ہم نے یہ کہا اور بالآخر ان کی کارروائیاں رک گئیں۔ رسید بکیں وغیرہ روک دی گئیں۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کا نام جامعہ سعیدیہ رکھا۔ اس میں ہمیں بھی ممبر رکھا اور ہم نے جامعہ کو علیحدہ کر لیا۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ حضرت لاہوریؒ کی اصابت رائے کے ساتھ صلابت کی بھی بات تھی۔

ہمدردی میں آپ نے یہیں بس نہیں کیا بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مدرسہ کا نظام امارت پر مبنی ہونا چاہیئے آپ نے فرمایا کہ میرا چالیس سالہ تجربہ ہے کہ یہ لوگ جب کوئی کام چلنے لگتا ہے تو اس میں دخل اندازی کرتے ہیں اور وہ کام ختم ہو جاتا ہے انہیں تجربات کی بناء پر میں نے انجمن خدام الدین کی بنیاد امارت پر رکھی ہے۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط ترتیب دیئے۔ اور پیش کئے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے ان کی اصلاح فرمائی اور جہاں ضوابط میں اس نقطۂ نظر سے غلطی ہوئی تھی وہاں تبدیلی فرمائی۔ ان ہی ضوابط کو رجسٹرڈ کرایا گیا اور ان ہی پر اب تک جامعہ کا نظام چل رہا ہے جزاہ اللہ خیراً واعظم اجرہٗ اور یہ تحریر بفضلہ میرے پاس موجود ہے۔

یہ سب کام آپ نے کئے۔ اور پوری توجہ فرمائی تو ہم نے درخواست کی کہ سرپرستی قبول فرمائیں لیکن آپ نے رسمی سرپرستی کے بارے میں معذرت فرمائی۔ اگرچہ عملاً جو کچھ کوئی سرپرست کرتا ہے وہ آپ ہمیشہ کرتے رہے۔ آپ کے لیے جامعہ کی شوریٰ کے اجلاس وغیرہ میں شرکت متعذر تھی۔

خدام الدین کا کام بہت زیادہ تھا۔ اور دین و مدارس کی کثرت تھی جن میں سالکین زیادہ ہوتے تھے۔ استفسار بھی ہوتے تھے اور عمرہ کا سفر بھی فرماتے تھے۔

خدام الدین کی طرف اتنی توجہ بھی فرماتے تھے کہ میں خود مضامین انتخاب کرتا ہوں اور غیر معیاری مضامین کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا کہ میں صفحوں کے صفحے قلمزد کر دیتا ہوں توجہ اس طرف تھی کہ مضمون بہت سادہ زبان میں ہو جسے کم سے کم پڑھا لکھا آدمی بھی پڑھے اور سمجھے اور عورتیں بھی گھروں میں پڑھیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ وقت کی اس قدر پابندی فرماتے تھے کہ منٹوں اور سیکنڈوں کا بھی فرق نہیں آنے دیتے تھے ہر نماز کے وقت دروازہ کھلتا تھا اور جماعت سے پہلے صف اول میں امام کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ پابندی اوقات کا مشاہدہ روز مرہ کے معمولات میں ہوتا رہتا تھا۔ اور یہ سب ملنے والے اور وابستگان جانتے ہیں۔ ایک دفعہ مولانا سید داؤد غزنوی صاحب کے یہاں ایک میٹنگ تھی میں نے دیکھا کہ آپ میٹنگ کے وقت سے پانچ یا سات منٹ پہلے پہنچے۔ مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ بھی تشریف لانے والے تھے لیکن وہ بہت بعد میں تشریف لائے اسی طرح بعض اور بھی حضرات آئے اور میٹنگ ان کی آمد تک موقوف رہی۔"

آپ کی پابندی اوقات بھی ہم سب کے لیے ایک درس آپ خدام الدین کا کام یکسوئی سے انجام دینے کے لیے دین محمد صاحب کے برف خانہ میں تشریف لے جاتے تھے انہوں نے آپ کے لیے ایک کمرہ مختص کر دیا تھا اس کے برابر والا کمرہ نماز با جماعت کے لیے۔ وہاں عام لوگ نہیں جاتے تھے۔ ہم نے بارہا ایسا کیا کہ وہاں ملنے کے لیے گئے۔ اور ملاقات سے مشرف ہوئے البتہ ہم خود بھی ایسا کرتے رہے کہ نماز کے وقت جاتے تھے اور جماعت کے بعد ضرورت کی بات کر لیتے تھے آپ نے وہاں

بلنے سے اور ملنے سے کبھی اشارۃ بھی منع نہیں فرمایا۔ ہم نے بھی ضرورت سے زیادہ کبھی بات نہیں کی اور بھی فقط زیارت ہی کے لیے جانا ہوا تو فقط ملاقات و مصافحہ اور خیریت دریافت کرنے ہی پر اکتفا کیا۔ بہرحال یہ معاملہ بھی آپ کی مرحمت و شفقت ہی میں داخل ہے ورنہ اس قدر اصول کی پابند شخصیت ایسی حرکت کی اجازت نہیں دے سکتی۔

جمعیتہ علماء اسلام کے اس موجودہ شکل میں احیاء کا کام حضرت مفتی صاحب کے ہاتھوں اس طرح ہوا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں احتشام الحق تھانوی کے حکمران ٹولہ کے ساتھ اتنے زیادہ قریبی اور گہرے تعلقات تھے کہ جن کی وجہ سے ان کی ذات بڑی طرح مجروح ہو گئی اور جمعیتہ علماء اسلام کا قدیم ڈھانچہ بے جان ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم کو توفیق مرحمت فرمائی

انہوں نے مصارت کا انتظام کیا اور حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی رح کی اعانت سے ملتان میں پہلی بار مغربی پاکستان کی سطح پر علماء کے بہت بڑے اجتماع کا انتظام فرمایا۔ اس پر مجھے بھی مدعو فرمایا تھا۔

علماء کی از سر نو تنظیم پر سب کا اتفاق تھا البتہ اس کے نام پر بہت بحث ہوتی رہی بالآخر "جمعیتہ علماء اسلام" ہی نام تجویز ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی۔ مولانا عبدالحنان صاحب ہزارویؒ اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی جو قدیم جمعیتہ علماء ہند کے لنظماء وغیرہ رہتے آئے تھے وہ بھی شریک تھے اور عہدہ دار بھی ہوئے۔ بہرحال جمعیتہ علماء اسلام کا از سر نو انتخاب عمل میں آیا اور حضرت لاہوریؒ امیر قرار پائے۔

اس کے بعد بھی جمعیتہ کی مجالس میں بھی شریک ہوتا رہا حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم بھی شرکت فرمانے لگے۔ اور بالآخر حضرت لاہوریؒ کی وفات کے بعد آپ امیر قرار پائے۔

اس اجمالی تاریخ کے ذکر کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جمعیتہ کی مجالس میں بسا اوقات اختلاف رائے ہو جاتا تھا ایک دفعہ ایسے ہی اختلاف کے وقت حضرتؒ نے فرمایا کہ میں ساتھیوں کے سامنے اپنی رائے رکھ دیتا ہوں لیکن اگر ان کی رائے مجھ سے مختلف ہو تو جو طے ہو جاتا ہے پھر میں اس کی پوری طرح پابندی کرتا ہوں" حضرت نے یہ بات یوں ہی نہیں فرما دی تھی بلکہ حقیقتاً آپ کا یہی طریق تھا۔

آپ کے اس ایک اصول میں غلام غوث ہزاروی صاحب اور ان جیسے مزاج والوں کے لیے عظیم درس ہے۔ اور یہی اصول اس آیت مبارکہ میں تعلیم فرمایا گیا ہے۔ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین

اور "اعجاب کل ذی رائی برایہ" کہ ہر صاحب رائے کو اپنی ہی رائے سب سے اچھی لگنے لگے۔

حدیث پاک میں اسے سامان بربادی قرار دیا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت اقدس مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے جیسا والہانہ تعلق تھا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ہفتہ میں دو ایک بار بھری مجلس میں ضرور تذکرہ فرماتے تھے وہ بھی ایسے عجیب انداز سے کہ جو ان کا ہی حق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ جمعیتہ علماء ہند کی مجالس شوریٰ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سامنے میں چار چار گھنٹے دو زانو بیٹھا رہتا تھا حالانکہ آپ کو جوڑوں کی تکلیف کا عارضہ تھا۔۔۔ اور پھر پھر۔۔۔ ایسی محبت وعقیدت رکھنے والا شاید ہی کوئی اور ہو کہ اپنے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب سے فرمایا کہ میری ڈاڑھی کے بال حضرت مدنیؒ کی جوتیوں میں سلوا دینا اور جلسۂ عام میں فرمانا کہ جو علم حسین احمد

مدنی کی جوتیوں میں ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔
پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جو گرامی نامہ
آیا تھا وہ آپ نے فریم کرا کر رکھا تھا۔

کیوں کہ آپ نسبت قادریہ کے اثرات میں سے کشف
کی حالت کا غلبہ تھا اور اس میں بھی اظہار غالب تھا اس
لیے آپ کشفی حالات برملا بتلاتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ شوریٰ کے اجلاس میں فرمایا کہ "مجھے اولیاء
اللہ کے باطن دیکھنے کا شوق ہے اور میں حج کے موقع پر
ایسا کرتا رہتا ہوں میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ
حضرت مدنیؒ جیسا دنیا میں، میں نے کوئی نہیں دیکھا ان
جیسا کوئی صاحب باطن نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ آپ نے ایک صاحب کو بیعت فرمایا۔
انھیں جو نصیحت فرمائی وہ نہایت قیمتی تھی مجھے اتنی
اچھی لگی کہ آج تک یاد ہے کہ "اگر دوسرے کو نفع نہ پہنچا
سکو تو اس بات کا پورا لحاظ رکھو کہ کم از کم تم سے کسی
کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"

حدیث شریف میں ارشاد ہے
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ
کامل مسلمان وہی ہے کہ جس کے ہاتھ اور
زبان کے ضرر سے مسلمان محفوظ رہیں۔
ایک دفعہ آپ نے ایک سالک کو ھو الاول و

الآخر والظاھر والباطن
کا مراقبہ تعلیم فرمایا۔ تو اس میں تشریح کرتے اور
سمجھاتے وقت عارفانہ انداز میں یہ کلمات نثریہ ارشاد
فرمائے کہ یہ خیال کرو کہ کوئی چیز نہیں ہے" نہ میں ہوں
نہ زمین ہے نہ آسمان نہ شیطان نہ کچھ اور"

ایک دفعہ رات کا وقت تھا جب مجلس برخاست
ہوئی تو مصافحہ کے وقت ارشاد فرمایا کہ جامعہ مدنیہ
چلے گا۔ میرے ہاتھ مصافحہ ہی میں۔ اور میں نے
فوراً نظر اٹھا کر چہرہ کی طرف دیکھا تو مسکراتے ہوئے
مصافحہ ہی میں ہاتھوں کو خفیف جھٹکا دیتے ہوئے اور
غالباً میرے استعجاب کو بھانپتے ہوئے فرمایا "میں کہتا
ہوں چلے گا۔" میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ کشف سے کہہ
رہے تھے۔

ایک دفعہ حاضری کے وقت آپ نے اپنے کچھ حالات
سنائے جو نہایت درجہ عسرت کے زمانہ کے تھے ان میں
اس تنگی کے دور کے حالات بھی بتلائے جن کا ذکر
مناسب نہیں معلوم ہوتا اور یہ کہ پھر آپ نے حضرت
مولانا تاج محمود صاحب امروٹیؒ قدس سرہ کو عریضہ
تحریر فرمایا۔ اور جو عمل انہوں نے تحریر فرمایا تھا وہ بھی
بتلایا اور مجھے بھی اس کی اجازت عنایت فرمائی۔ اور بھی
باتیں اسی قسم کی ارشاد فرمائیں۔

رحمہ اللہ ورفع درجاتہ۔ آمین۔

زندہ ولی کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانا جائز ہے **زندہ ولی** لیکن اولیاء کرام کے مزارات پر سفر کر کے
جانا منع ہے۔ میری تحقیق یہی ہے اگر کسی اور کام کے لیے کسی جگہ جائیں تو پھر اولیاء کرام کے مزارات پر فاتحہ خوانی
کیلئے حاضری دینا جائز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کیلئے تشریف لے گئے۔ مجھے جب توفیق ہوتی تھی تو اپنے دونوں مربیوں
کی خدمت میں حاضری دینے کیلئے جاتا تھا۔ باطن کا بینا ہو تو بزرگوں کے مزارات پر جانے سے فائدہ ہوتا ہے اندھے کیلئے جانا نہ جانا دونوں برابر ہیں۔
(ملفوظات طیبات ص ١١٥)